ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ڈاکٹر ریحانہ کوثر

ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدرِ شعبہ اُردو، لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر شائستہ حمید خان

اسسٹنٹ پروفیسر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

"منطق الطیر جدید" کا تجزیاتی مطالعہ

Dr. Rehana Kausar

Accociate Professor, Chairperson Department of Urdu, Lahore Collage for Women University, Lahore.

Dr. Shaista Hameed Khan

Department of Urdu, GC University, Lahore.

A Critical analysis of "Mantiq Ul Tair Jadeed"

Mustansar Hussain Tarar is known as an important figure in Urdu literature and performed mentionable services in the field of column writing, novels and travelogues. In this article an analytical study of the "Mantiq Ul Tair Jadeed" has been made. In fact this is based upon the long poem of Khawaja Fareed Ud Din Attar with an addition of "Jadeed" (Modern). Tarar has pointed out relation of different social, cultural and religious issues of our society. This is sincere call for the development of human unity, natural love, patience and cooperation which are the major issues of our country. All these topics are highlighted in this writing.

Keywords: *Urdu Literature Performed, Travelogues, Analytica, Social Culture, Society.*

مستنصر حسین تارڑ اُردو ادب میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ وہ ادب میں سفر نامہ نگاری، ناول نگاری اور کالم نگاری کے حوالے سے جانے مانے جاتے ہیں۔ "منطق الطیر جدید" اُن کا ناول ہے جو ۲۰۱۸ء کو شائع ہوا۔ منطق الطیر حضرت خواجہ فرید الدین عطار کی مثنوی ہے جس میں "جدید" کے اضافے سے اس ناول کا نام رکھا گیا۔ اس میں بہت سے معاشرتی، سماجی و مذہبی مسائل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس تحریر میں انسانی وحدت، باہمی پیار محبت اور رواداری کے فروغ پر زور دیا گیا ہے جبکہ شدت پسندی اور انتہا پسندی کی روک تھام کے لیے آواز بلند کی گئی ہے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

مستنصر حسین تارڑ یکم مارچ ۱۹۳۹ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام رحمت خان تارڑ اور آبائی وطن گجرات ہے۔ ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول رنگ محل اور مسلم ماڈل ہائی سکول، لاہور سے حاصل کی۔ میٹرک کے بعد ایف۔ اے گورنمنٹ کالج، لاہور سے کیا۔ بعد ازاں یورپ چلے گئے وہاں ٹیکسٹائل انجینئرنگ کی تعلم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ڈرامہ، تھیٹر اور ادب کو نئے زاویوں سے دیکھا اور سمجھا۔ پانچ برس گزارنے کے بعد وطن واپس آ گئے۔

مستنصر حسین تارڑ اُردو ادب میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ سفر نامہ نگاری اُن کی من پسند صنف ہے۔ وہ اب تک کم و بیش ۲۲ سفر نامے لکھ کر طبع کروا چکے ہیں۔ شائع ہونے والے ناولوں کی تعداد منطق الطیر جدید اور پنجابی ناول ''پکھیرو'' سمیت کل ایک درجن ہے جبکہ کالموں کے بھی پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ ٹیلی ویژن اسکرین پر بطور فن کار سامنے آ چکے ہیں جبکہ کچھ نشریات میں میزبانی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ''پرانی باتیں'' ڈرامے میں بطور اداکار شامل تھے جبکہ ''آدھی رات کا سورج'' تحریر کیا۔ علاوہ ازیں مختلف ٹیلی ویژن ڈراموں مثلاً ''شہپر''، ''کیلاش''، ''پرندے''، ''سورج کے ساتھ ساتھ'' اور ''فریب'' میں اداکاری کے جوہر دکھا چکے ہیں۔

''ناول'' اطالوی زبان کے لفظ ''ناویلا'' سے نکلا ہے جس کے معنی ''نیا'' کے ہیں۔ لغت کے اعتبار سے ناول کے معنی نادر اور نئی بات کے ہیں۔ ادبی زبان میں اس کی تعریف یہ ہے کہ ''ناول حقیقی زندگی کے قریب تر ہو۔'' ناول کے اجزائے ترکیبی میں خاکہ، کہانی، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، اسلوب بیان اور مقصدیت شامل ہیں۔

منطق الطیر جدید مستنصر حسین تارڑ کا ناول ہے جو ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا۔ یہ نام حضرت خواجہ فرید الدین عطار کی مثنوی کے نام پر لفظ ''جدید'' کے اضافے کے ساتھ رکھا گیا اور انتساب بھی خواجہ فرید الدین عطار کے نام ہے۔ ''منطق الطیر'' قرآن کریم کی سورہ النمل کی ایک آیت کا حصہ ہے جس میں حضرت سلمان علیہ اسلام کا قصہ بیان ہوا ہے۔ ناول کا نام و انتساب ہمیں پیشگی خبر دیتا ہے کہ یہ ہمیں صوفیانہ جہانوں کی سیر کرائے گا جہاں تفریق و نفرت کا گزر نہیں اور یہ ہمارے لیے حسن سلوک و پیار محبت سے رہنے کا درس بھی ہے۔

ناول میں سات پرندوں اور موسیٰ حسین کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ سات پرندے آخری سچ کی تلاش میں اپنے ٹھکانے چھوڑ کر آسمان پر اُڑان بھرتے ہیں اور موسیٰ حسین اپنی اولاد نہ ہونے کے سبب ایک ایسی روحانی جگہ کی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

طرف جارہا ہے جہاں جانے سے اُسے لگتا ہے کہ اُس کی مراد بر آئے گی۔ جب وہ ٹلہ جوگیاں کے قریب پہنچتے ہیں تو وہاں تین پرندے موجود ہوتے ہیں جو عشق مجازی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کی منزل بھی وہی ہے جو عشقِ حقیقی کی ترجمانی کرنے والے پرندوں کی ہے۔ سات پرندوں کی نسبتیں کوہ طور، صلیبِ عیسیٰ، غارِ حرا، حرائدہ، حلاج، قراۃ العین طاہر اور کرشن سے ہیں۔ یہ عشق حقیقی و قدیم اور اجنبی دیسوں کے پرندے ہیں جو آخری سچ کی تلاش میں ٹلہ جوگیاں کی طرف آرہے ہیں۔ مقامی پرندوں کی نسبتیں مہاتما، میر ابائی، صاحباں، سوہنی اور رانجھا ہیں۔

ناول کا مرکزی خیال یہ ہے کہ اس میں موسیٰ حسین بطور مرکزی کردار شامل ہے جو اپنی چڑچڑی بیوی سے تنگ آکر اپنی بے اولادی کے روحانی علاج کے لیے نکل پڑتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ ٹلہ جوگیاں ایک ایسی معرفت کی جگہ ہے جہاں ہر شخص کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اور اس کی اولاد کی خواہش بھی ضرور پوری ہو جائے گی۔ وہ اسی طرف جارہا ہوتا ہے کہ اُسے راہ میں پرندے نظر آتے ہیں جو کسی دائمی سچ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ان کے بھی کئی سولات ہیں جن کے جوابات کی تلاش میں وہ بھٹک رہے ہیں۔ اُن کی منزل بھی وہی ہے جو موسیٰ حسین کی ہے۔ اُن پرندوں کی نسبتیں کوہ طور، صلیبِ عیسیٰ اور غارِ حرا سے ہیں۔ یہ ناول کے ضمنی کردار بھی ہیں اور ان کے ساتھ ہی بڈھا، حسین بن منصور حلاج، قراۃالعین طاہر اور کرشن کے پرندے بھی ہیں۔ ناول میں ان پرندوں میں نمایاں کردار کوہِ طور کے پرندے کا ہے جس کا مکالمہ موسیٰ علیہ اسلام کے ہم نام شخص سے ہوتا ہے۔ یہ پرندہ موسیٰ حسین سے شکوہ شکایت میں ہی نظر آتا ہے کہ تمھاری وجہ سے مجھے خود کو جھلسانا پڑا اور اپنے مسکن و ٹھکانے کو بھی خیر باد کہنا پڑا۔ ناول کے اختتام پر سب پرندے اور موسیٰ حسین ایک تالاب کے گرد بیٹھے ہیں۔ سب تالاب کے اندر جھانک رہے ہیں اور سبھی کو ایک ساعکس نظر آرہا ہے۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں ناول نگار نے وحدت الوجود کے فلسفہ کو نہایت خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ ہر مخلوق کی اصل ایک ہی ہے، ہر مذہب کی روح ایک ہے اور عشق میں حقیقی و مجازی کی تفریق محض مذہبی پیشوائوں یا سماج کی پیدا کردہ ہے۔

ناول کی کہانی بڑی منفرد اور اچھوتی ہے جس میں انسان اور پرندوں کی باہمی گفتگو سے ناول کو دل چسپ بنایا گیا ہے۔ ناول نگار نے ایسے موضوعات پر گفتگو کی ہے جس پر افسانوی انداز میں بھی بہت کم لوگ لکھتے ہیں کیونکہ یہ موضوعات مذہب و سماج سے جڑے ہوئے ہیں اور صدیوں سے منجمد نظریات و روایات پر چوٹ کرنا خاصا پر خطر کام سمجھا جاتا ہے۔ مگر مستنصر حسین تارڑ نے بلا خوف و خطر لکھا ہے۔ اس ناول میں سماج و مذہب کے پیشوائوں کو پرندوں کی صورت ظاہر کر کے اُن کے باہمی مکالموں سے فرسودہ روایات، شدت پسندی، ہٹ دھرمی اور تفریق

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کے نظریات پر عمدہ انداز میں تنقید کی گئی ہے۔ موسیٰ حسین کو ایک ایسے سفر پر روانہ کیا گیا ہے جہاں اُسے اپنی بے اولادی کا حل ملنا ہے اور راستے میں اس کی ملاقات پرندوں سے کرائی گئی ہے۔ یہ سب پرندے نہایت اہم ہیں جو صدیوں سے ہیں اور سامی و غیر سامی ادیان کے بانیوں کی من موہنی صورت دیکھ چکے ہیں۔ ایک کوہ طور پر موجود تھا، ایک نے صلیب اور سمندر کے درمیان چکر کاٹے، ایک نے غار حرا میں چاندنی اُترتے دیکھی، ایک بلخ کے آتش کدہ سے آیا، ایک نے بدھ کی پسلی سے جنم لیا اور ایک کرشن کی بنسی سے بر آمد ہوا۔

یہ پنچھی ٹلہ جوگیاں کی سمت کیوں آتے ہیں؟ وہ اپنے ٹھکانوں سے اس سمت کیوں اڑان بھرتے ہیں؟ وہ کس چیز کے متلاشی ہیں؟ کہانی کا اہم ترین موڑ یہ ہے کہ مزید پنچھی اِسی گندمی دھرتی سے ہیں جو عشقیہ داستانوں اور کرداروں کی صورت منظر عام پر آتے ہیں اور چھا جاتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر کہانی میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو وہاں کے مقامی باسیوں اور اجنبی پردیسیوں میں تقابل کی عکاس ہے۔ یہاں ان لوگوں میں فرق بھی ہے اور اشتراک بھی۔ فرق اس طرح کے کچھ یہاں کے ہیں اور کچھ نہیں اور اشتراک یہ کہ ان کا عشق اور مذہب کہیں نہ کہیں ملتا ہے اور دونوں طبقوں میں یہیں بحث ہوتی ہے۔ اہل مذہب عشق کے مذہب کو گمراہ کہتے ہیں اور علیحدہ ہو جاتے ہیں لیکن پھر مذہب پرستوں کو احساس ہو جاتا ہے کہ اُن کی اُڑان عشق کے بغیر ادھوری اور نامکمل ہے۔ یوں عشق اور مذہب دونوں پھر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور کہانی کا اختتام بھی اسی پر ہوتا ہے کہ سب ایک دوسرے کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور انسان اور پرندے کی تفریق باقی نہیں رہتی۔ اقبال خورشید لکھتے ہیں:

> ”صاحبو، جو موضوع شجر ممنوعہ ٹھہرے، جیسے مذہب، اس پر قلم اُٹھانے کے لیے بڑا حوصلہ درکار، مگر فکشن کی دنیا میں حوصلہ کافی نہیں۔ یہاں آرٹ شرط ہے۔ حساس موضوع کو فکشن کرنا پل صراط عبور کرنے کے مترادف اور منطق الطیر، جدید کا مصنف یہ کر گزرتا ہے کہ وہ ایک بلند پایا ادیب ہے۔ ایک پنچھی جو اب اس آسمان میں پرواز کرتا ہے جہاں خوف کی پہنچ نہیں اور کلاکار ایسا کہ اپنے پروں کے پھڑپھڑاہٹ سے گرویدہ بنا لینے والے دل کش مناظر کو جنم دیتا ہے۔“ (۱)

”منطق الطیر جدید“ میں پیش کیے گئے کردار افسانوی کرداروں سے ہٹ کر ہیں۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ داستانوں یا پھر کہانیوں میں پرندوں سے اس انداز سے اور ایسے موضوعات کے لیے گفتگو کرائی گئی ہو۔ مستنصر حسین تارڑ سے پہلے اس طرح کے کردار فرید الدین عطار کے ہاں ملتے ہیں۔ اُنھوں نے ”منطق الطیر جدید“ میں عمدہ

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کردار نگاری کی ہے اور پرندوں سے حساس اور نازک موضوعات پر بات چیت کروا کر جامد اور مردہ سماج میں تحریک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ صفورہ جو موسیٰ حسین کی بیوی ہے اس کی ابتدا میں توہم پرستی یا روحانیت کے بارے کوئی مثبت بات سامنے نہ تھی کہ وہ ایک جدید سوچ کی مالک تھی مگر ناول کے اختتام تک آتے آتے اُس کے ذہن میں ایک واضح تبدیلی سامنے آتی ہے۔

تارڑ نے اس ناول اپنے موضوع اور خیال کی تائید میں کرداروں سے عمدہ ایسا مکالمہ کروایا ہے جس سے ان کی جدید سوچ اور اجتہاد کی طرف اشارہ ملتا ہے:

> ''موسیٰ: اگر تم پر آخری سچ کا انکشاف ہو چکا تو اب کاہے کو کسی اور نئے سچ کی تلاش میں اڑانیں کرتے پھرتے ہو''
>
> پرندہ: سچ نیا پرانا نہیں ہوتا البتہ زمانے کے ساتھ ساتھ اس کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔ وہ جو آسمانی احکام تھے کب کے طاقوں میں دھرے تھے۔ اُن پر کائی نمودار ہو رہی تھی۔'' (۲)

ناول نگار چوں کہ سیاح و سفر نامہ نگار بھی ہیں اس لیے اُن کے ہاں عمیق نظری اور گہرا مشاہدہ پایا جاتا ہے۔ وہ اسی قوتِ مشاہدہ سے ایسی ماہرانہ منظر نگاری کرتے ہیں کہ قاری کے سامنے منظر نامہ مجسم شکل میں گھوم جاتا ہے اور قاری ناول میں گم ہو کر اپنے آپ کو اُسی ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ علی عبداللہ لکھتے ہیں:

> ''صوفیانہ رنگ لیے کئی زمانوں کی سیر کرواتا ہوا یہ ناول قاری پر ایک عجب رنگ طاری کرتا ہے کہ وہ خود کو جستجو کا پرندہ محسوس کرنے لگتا ہے۔'' (۳)

ناول میں سبھی پرندے اپنے مسکن سے اڑان بھرتے ہیں اور باہم مل کر آخری سچ کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ راہ میں ان کی ملاقات موسیٰ حسین سے ہوتی ہے تو وہ ان سے پوچھتا ہے کہ تم تو ایک دوسرے سے الگ ہو اور تمھارے ماننے والے بھی یہاں باہمی تفریق کے قائل ہیں تو وہ پرندے یک زبان ہو کر اپنے ایک ہونے کا اعلان کرتے ہیں کہ ہماری اصل ایک ہی ہے بس ہمارا نام، مقام اور زمانہ مختلف ہے۔ ناول کے اس موڑ پر ہمیں قرآن حکیم کی آیت کا مفہوم نظر آتا ہے:

> ''مسلمان ہوں، یہودی ہوں، نصاریٰ ہوں یا صابی ہوں جو کوئی بھی اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اُن کے اجر اُن کے ربّ کے پاس ہیں اور اُن پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ غم۔''(۴)

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

مستنصر حسین تارڑ نے یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ باہمی نفرتیں اور تفریق انسان کی اور ہر مذہب کے ماننے والوں کی پیدا کی ہوئی ہیں ورنہ اصل کے لحاظ سے سبھی دین برحق ہیں اور پیروکاروں کے لیے نجات ہی نجات ہیں۔ اُنھوں نے یہاں اُن مذہبی نظریات سے بغاوت کی ہے جو ہر مذہب کے ماننے والوں کے ہاں رائج ہیں کہ صرف وہی نجات پائیں گے اور باقی تمام عذاب و مصائب جھیلیں گے۔ مستنصر حسین تارڑ نے ظہور مہدی و عیسیٰ کے متعلق بھی ناول میں بات کی ہے:

> ''پیروکار اگر برسوں کی ریاضتوں، عبادتوں اور چلوں کے باوجود گوہر مقصود حاصل نہ کر سکیں تو کہیں برگشتہ نہ ہو جائیں۔ ایک گنجائش رکھ دی گئی جس میں سراسر انتظار تھا، ایک اور ظہور کا تاکہ لوگ مایوس ہو کر انکاری نہ ہو جائیں، منہ موڑ کر نہ چل دیں۔''(۵)

ناول کا بنیادی موضوع تحرک و تسل، تلاش و جستجو اور اجتہادی فکر کو فروغ دینے کی امنگ ظاہر کرتا ہے۔ ناول کا ایک اور اہم موضوع وحدت الوجود کا ہے۔ ایک صوفیانہ عقیدہ جس کی روح سے جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے وہ خالق حقیقی کا عکس ہے اور انسان عکس کے عکس کا پجاری ہے۔ یعنی خالق حقیقی کی مختلف شکلیں ہیں جن کا عکس مخلوق میں نظر آتا ہے۔ منصور حلاج، قراۃ العین حیدر اور صاحباں کے کردار نظریہ وحدت الوجود کی افسانوی شکل ہیں۔ منصور حلاج کو اناالحق کی پاداش میں تختہ دار پر جھولنا پڑا۔ اسی طرح قراۃ العین طاہرہ اور صاحباں نے اپنے محبوب میں اپنا ربّ دیکھا اور اُنھیں اپنی جان گنوانی پڑی۔

روحانیت اور مذہبی نقطہ نظر کے حامل بہت سے پرندے ہمیں ملتے ہیں جو عشق حقیقی سے وابستہ ہیں۔ تین پرندے صاحباں، رانجھا اور سوہنی علامتوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جو تاریخی اور ثقافتی کہانیاں ہیں۔ یہ عشق مجازی کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ بنیادی طور پر تارڑ یہ کہنا چاہتا ہے کہ عشق، عشق ہے اور عشق حق ہے اور حق خدا ہے۔ لہٰذا سبھی عشاق کی منزل مقصود خدا تک پہنچتی ہے۔ اس کے لیے کسی نے پہاڑوں پر چلہ کشی کی تو کسی نے صحرا نوردی کی۔ کوئی سُولی پر چڑھا اور کوئی دریا برد ہوا۔ سب کی منزل تو ایک تھی مگر راستے الگ الگ تھے۔

ادب کا ایک اہم موضوع وجودیت ہے جو انسان کو اپنی کھوج پر اُکساتا ہے۔ اس نظریے کو بھی مصنف نے ناول میں موضوع بنایا ہے۔ اُس کے ساتھ ساتھ رواداری، محبت اور برداشت جیسے سماجی مسائل پر بحث کے لیے علامتی انداز اختیار کیا تاکہ قاری دلچسپی برقرار رکھتے ہوئے سبق آموز پیغام سے آشنا بھی ہو۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ناول کا اختتام ایک ایسے کنویں پر ہوا ہے جہاں موسیٰ حسین اور گیارہ پرندے اس کنویں کی منڈیر پر اپنا عکس دیکھتے ہیں اور ہر کوئی اپنے آپ کو افضل اور دوسرے کو کمتر گردانتا ہے۔ خود کو مومن اور متقی دوسروں کو کافر اور رند سمجھ رہے ہیں۔ یہاں ایک سا عکس لیے بیٹھے ہیں اور اس مقام پر سبھی برابر تھے۔ یہاں تفریق کی گنجائش نہ تھی بلکہ سب کو ایک ہی سا وجود عطا ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ سب اپنی اپنی ضد میں الگ زندگی بسر کر رہے تھے اور اُنھیں اپنی اصل شکلیں بھی نظر نہ آ سکی تھیں۔ یہاں وہ مقامِ معرفت تک پہنچے تو راز کھلا کہ اصل ایک باقی ہے جو اصل کا ہی عکس ہے۔ ناول میں سبھی کو ایک ہی پیغام کا پیغامبر قرار دے کر تارڑ صاحب نے سبھی مذاہب و فرقوں کو احترام باہمی اور محبت و رواداری کا درس دیا ہے۔ اُنھوں نے مذہبی شدت پسندی کا رد علامتی انداز میں کیا ہے کہ اگر انسان محض ان لوگوں کی اتباع کرتا رہے تو سچ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ سچ کی تلاش کے لیے اتباع نہیں بلکہ دلیل و براہین اور جستجو و سفر کی شرط لازم ہے۔ مذہبی شدت پسندی ہمیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر جستجو کا سفر کرنے سے روکتی ہے۔ اگر لوگ سچ کی تلاش کے لیے نکل پڑے تو اُن کی دکان بند ہو جائے گی۔ اس لیے دو نفرتوں کو ہوا دیتے ہیں۔

حاصل بحث یہ کہ ''منطق الطیر جدید'' بہت سے سماجی اور مذہبی مسائل کے حل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور انسانی وحدت، باہمی محبت و رواداری کے فروغ کا درس دیتا ہے۔ یہ ناول شدت پسندی کی روک تھام اور صبر و حوصلے کا بھرپور درس دیتا ہے۔ پرندے، پانی اور موت تارڑ کے ناولوں کا خاصا ہے جسے اُنھوں نے منطق الطیر جدید میں بڑی خوبی سے برتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال خورشید، منطق الطیر جدید عطار کے پرندے اور تارڑ کا عشق، مشمولہ: علم و ادب، اکتوبر ۲۰۱۸ء، ص:۲۶

۲۔ مستنصر حسین تارڑ، منطق الطیر جدید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۳۹

۳۔ علی عبداللہ، تارڑ صاحب کا نیا ناول منطق الطیر جدید، تبصرہ مشمولہ: دانش، Daanish.pk_23/11/2018

۴۔ القرآن الحکیم، سورۃ البقرہ، آیت مبارکہ: ۶۲

۵۔ مستنصر حسین تارڑ، منطق الطیر جدید، ص:۴۹